پروفیسر حافظ محمد یٰسین بٹ

مولانا اشرف علی تھانوی

علمی خدمات

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی بیسویں صدی عیسوی میں برِصغیر کے جلیل القدر عالم، مفسرِ قرآن، نامور فقیہہ اور صاحبِ طریقت بزرگ تھے۔ وہ ۵۔ جمادی الاخری ۱۲۸۲ھ کو بروز چہار شنبہ تھانہ بھون میں پیدا ہوئے جو صوبہ یو۔پی کا ایک مشہور قصبہ ہے اور ضلع مظفر نگر کی تحصیل کیرانہ میں مظفر نگر سے ۱۸ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کے قرب و جوار میں علم و عمل کے اعتبار سے کئی معروف قصبات اپنی تاریخی عظمتوں کے ساتھ موجود ہیں، جن میں دیوبند، گنگوہ، کاندھلہ، کیرانہ، جھنجھانہ اور پانی پت کو بڑی شہرت حاصل ہے۔

تھانہ بھون کا فاروقی خاندان برِصغیر کے قدیم اسلامی دور سے چار حصوں میں منقسم تھا۔ ایک حصے کو خطیب، ایک کو قاضی، ایک کو نائب قاضی اور ایک کو محتسب کہا جاتا تھا۔ مولانا تھانوی کا تعلق فاروقیوں کے خطیب خاندان سے تھا۔ والد کا نام نامی منشی عبد الحق تھا اور ان کے اسلاف علم و عمل کی نعمت سے بہرہ یاب تھے۔

ابتدائی زندگی ہی سے مولانا تھانوی کو حصولِ علم کا شوق تھا اور ان میں تدین و تقویٰ کے آثار نمایاں تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے خاندانی روایات کے مطابق قرآن مجید پڑھا۔ پھر حافظ حسین علی سے قرآن مجید حفظ کیا۔

فارسی کی کتابیں مولانا فتح محمد تھانوی اور اپنے ماموں واجد علی سے پڑھیں۔ دارالعلوم دیوبند میں

داخل ہوئے تو مولانا منفعت علی دیوبندی سے فارسی کی انتہائی کتابوں کا درس لیا۔

وہ علمِ ریاضی میں بھی مہارت رکھتے تھے اور یہ علم انھوں نے مولانا سید احمد دہلوی سے پڑھا تھا۔

قرآن مجید سے حضرت تھانوی کو انتہائی قلبی لگاؤ تھا۔ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو مدرسہ صولتیہ کے معلّمِ قرآن قاری محمد عبداللہ مہاجر مکی سے قرأت و تجوید کا علم حاصل کیا اور اس علم میں بڑی مہارت پیدا کی۔

منطق، فلسفہ، عربی، ادبیات، صرف و نحو وغیرہ تمام علومِ مروّجہ کی جو اس وقت دارالعلوم دیوبند میں پڑھائے جاتے تھے، بڑی محنت سے تکمیل فرمائی۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی ان دنوں تفسیر جلالین کا درس دیا کرتے تھے، مولانا تھانوی ازراہِ عقیدت کبھی کبھی اس درس میں شرکت فرماتے تھے۔ ان کے دارالعلوم دیوبند میں داخلے کے ایک سال بعد مولانا نانوتوی وفات پا گئے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے حضور بھی مولانا تھانوی نے زانوئے شاگردی تہ کیا اور ان سے بہت مستفید ہوئے۔ شیخ الہند ان کے نہایت مہربان اور مشفق استاد تھے اور اپنے اس لائق شاگرد کی تعلیم و تربیت پر بڑی توجہ فرماتے تھے۔

مولانا تھانوی نے دہلی جا کر اس زمانے کے مشہور طبیب عبدالمجید خان دہلوی سے علمِ طب پڑھا، وہ چاہتے تھے کہ درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا کسی سے کوئی معاوضہ نہیں لیں گے اور گزر اوقات کے لیے طبابت کا پیشہ اختیار کریں گے، لیکن آگے چل کر اللہ نے ان کو ہر طرف سے بے نیاز کر دیا۔ نہ کسی سے درس و تدریس کا معاوضہ لیا نہ وعظ و تبلیغ کے سلسلے میں کسی سے کوئی پیسہ وصول کیا اور نہ طبابت کو ذریعۂ آمدنی بنایا۔

اس عالمِ اجل اور صوفی بے بدل نے مولانا محمد یعقوب سے حدیث کی کتابیں پڑھیں اور سلوک و طریقت میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس و تدریس، دعوت و ارشاد، تصنیف و تالیف، وعظ و تبلیغ اور فتویٰ نویسی کا سلسلہ شروع کیا اور اللہ نے اس میں ان کو بڑی کامیابی عطا فرمائی۔ وہ جو کچھ کرتے تھے اللہ کی رضا جوئی کے لیے کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ اس میں ان کی مدد فرماتا تھا۔ وہ دنیا کے محتاج نہیں تھے، دنیا ان کی محتاج تھی۔ وہ خالصتاً

توجہ اللہ لوگوں کی روحانی تربیت کرتے تھے اور لوگ ان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔

ان کے شاگردوں اور فیض یافتوں کا حلقہ بہت وسیع تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان میں سے چند مشہور علمائے کرام کے اسمائے گرامی درج کر دیے جائیں :

۱۔ مولانا محمد اسحٰق بردوانی : یہ نہایت قوی الحافظہ اور جید عالم تھے۔ چھ مہینے میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ زمانۂ طالب علمی میں علم نحو کی معروف کتاب کافیہ زبانی یاد کر لی تھی۔ کئی سال مدرسہ عالیہ کلکتہ میں دینیات پڑھاتے رہے اور وہاں سے مدرسہ عالیہ ڈھاکہ چلے گئے تھے۔

۲۔ مولانا محمد رشید کانپوری : جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ خوش اخلاق، متواضع و منکسر بزرگ تھے۔ متعدد مقامات پر علما و طلبا کو تعلیم دیتے رہے۔ بعد میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں مدرس مقرر ہو گئے تھے۔

۳۔ مولانا احمد علی فتحپوری : جلیل القدر عالم تھے اور تصوف میں حضرت تھانوی کے خلیفۂ مجاز تھے۔ اپنے شہر فتح پور اور پھر بارہ بنکی میں طلبا کو پڑھانے پر مامور رہے۔

۴۔ مولانا صادق الیقین کرسوی : عالم باعمل اور متقی و پرہیزگار بزرگ تھے۔ بدعات و رسوم کے سخت خلاف تھے۔ مولانا تھانوی کے شاگرد اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفۂ مجاز تھے۔

۵۔ مولانا فضل حق بارہ بنکی : حضرت تھانوی کے یہ وہ شاگرد تھے جو ان کے تلامذہ میں سب سے پہلے فارغ التحصیل ہوئے۔ نہایت قابل و فاضل آدمی تھے۔ علم فلسفہ سے بالخصوص لگاؤ تھا۔ کئی سال قنوج میں فریضۂ تدریس سرانجام دیتے رہے۔

۶۔ شاہ لطف الرسول بارہ بنکی : عاقل و فہیم اور ذاکر و عابد عالم دین تھے۔ درد دلش منش اور نرم خو تھے۔ ہر حال میں اللہ پر شاکر رہتے۔ حاجی امداد اللہ سے بذریعہ خط و کتابت بیعت ہوئے اور علوم دینیہ کی تعلیم مولانا تھانوی سے حاصل کی۔

۷۔ حکیم محمد مصطفےٰ بجنوری : عربی ادبیات اور معقولات میں درک رکھتے تھے۔ درس میں مولانا تھانوی کی تقریروں کے عربی میں نوٹس لیتے اور پھر اردو میں ان کو پھیلا دیتے تھے۔ مناجات مقبول کے عربی حصے کا اردو ترجمہ کیا۔ حضرت تھانوی کی بعض کتابوں کی شرح لکھی۔ بہتر ین

طبیب بھی تھے۔ تقویٰ شعار اور عابد و زاہد عالمِ دین تھے۔

۸۔ سید اسحاق علی کانپوری: اچھے مدرس، بلند پایہ معلم، سلیم الفطرت اور پاکیزہ کردار عالم تھے۔ مولانا تھانوی کے خلیفۂ مجاز تھے۔ کافی عرصہ الہ آباد یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر رہے۔

۹۔ مولانا مظہر الحق راموی: عربی اور فارسی کے قادر الکلام شاعر اور نثر نگار تھے۔ ان کا شمار بنگال کے مشاہیر علما میں ہوتا تھا۔

۱۰۔ مولانا ظفر احمد عثمانی: یہ حضرت تھانوی کے بھانجے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فہم و فراست اور علم و معرفت سے خوب نوازا تھا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی میں صدر شعبۂ دینیات کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ حلقۂ علما میں ان کو بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔ تدریس و تصنیف میں بڑا نام پایا۔

جب ٹنڈو الہ یار (ضلع حیدر آباد سندھ) میں دار العلوم قائم ہوا تو اس کی مسندِ شیخ الحدیث پر فائز کیے گئے۔ بہت سے اوصاف کے مالک تھے۔ مولانا تھانوی ان پر بڑا اعتماد کرتے تھے۔ ان کے فرمانے پر انھوں نے کئی اہم علمی و تصنیفی خدمات سرانجام دیں۔ مولانا تھانوی کے یہ وہ شاگردِ رشید اور قریبی عزیز تھے، جنھوں نے تحریکِ پاکستان میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اعلانِ آزادیٔ وطن کے بعد سلہٹ کے ریفرنڈم میں انھوں نے خوب کام کیا اور اس سلسلے میں بڑی جدو جہد کی۔

حضرت تھانوی نے ۱۸ برس کی عمر میں وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ پُرتاثیر وعظ کہتے تھے اور کثیر تعداد میں لوگ ان کے مواعظ میں شریک ہوتے اور ہر بات غور سے سنتے تھے۔

مولانا تھانوی کی زندگی مصروف ترین زندگی تھی۔ کبھی درس و تدریس میں مشغول ہیں، کبھی وعظ و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں، کبھی خطوں سے تحریر کر رہے ہیں، کبھی مریدین و معتقدین کو اوراد و وظائف کی تلقین فرما رہے ہیں، کبھی مہمانوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہیں۔ یعنی ہر وقت مصروف، ہر آن کسی نہ کسی کام میں لگے ہوئے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ جو لوگ ان کے پاس آتے تھے ان میں بہت سے حضرات بڑے اونچے مرتبے کے حامل تھے۔ علم و ادب میں، معرفت و ادراک میں اور عمل و کردار میں ان کا مقام بڑا بلند تھا۔ حضرت تھانوی ان کو خاص طور سے وقت دیتے

اوران سے مختلف موضوعات سے متعلق گفت گو فرماتے تھے۔

ان کا تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ جاری رہتا تھا۔ وہ ہر موضوع پر لکھتے تھے اور اس درجے تفصیل سے اور آسان پیرائے میں لکھتے تھے کہ مشکل سے مشکل مسائل کی گرہیں قاری کے سامنے کھلتی چلی جاتی تھیں۔ صاف ستھرا اسلوبِ تحریر، آسان اور عام فہم زبان، بات کو سمجھنے میں کہیں کوئی مشکل اور دقت پیش نہیں آتی۔ اللہ نے ان کو قوتِ بیان اور اظہارِ مقصد کی بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔

انھوں نے اپنی تصنیفی سرگرمیوں کا آغاز شعروشاعری سے کیا تھا اور پہلی کتاب فارسی اشعار میں لکھی تھی جس کا نام "مثنوی زیروبم" ہے۔ یہ ان کی طالب علمی کا زمانہ تھا اور اٹھارہ سال کی عمر تھی۔ اس میں نفسِ انسانی کی بصیرت افروز حکایت ایک بے وقوف عاشق اور چالاک معشوق کے قصے کے طور پر بیان کی گئی ہے۔

قیامِ مکہ مکرمہ کے زمانے میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے کہنے پر ابنِ عطار اسکندری کی کتاب تنویر کا اردو ترجمہ "اکسیر فی اثبات التقدیر" کے نام سے اس طرح کیا کہ نثر کا ترجمہ نثر میں اور عربی نظم کا ترجمہ اردو نظم میں کیا۔ بچوں کو قرآن کی تجوید کے مسائل ذہن نشین کرانے کے لیے "تجوید القرآن" کے نام سے ایک مختصر رسالہ تصنیف فرمایا جو نظم میں تھا۔

مکہ معظمہ کے قیام کے دوران انھوں نے غلبۂ توحید میں ایک غزل کہی جو اردو زبان میں ہے حضرت تھانوی آہ تخلص کرتے تھے۔

اس غزل کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

خودی جب تک رہی اس کو نہ پایا
جب اس کو ڈھونڈ پایا، خود عدم تھے!
حقیقت کیا تمہاری تھی مگر آہ!
یہ سب امداد کے لطف و کرم تھے

برِصغیر پاک و ہند کے اہلِ علم نے بہت سی کتابیں لکھیں لیکن مولانا تھانوی کا اس باب میں کوئی حریف نہیں۔ ۱۳۵۴ھ میں ان کے شاگرد مولوی عبدالحق فتح پوری نے تالیفاتِ اشرفیہ

کے نام سے بڑی تقطیع کے ۸۶ صفحات پر مشتمل ایک کتاب شائع کی تھی جس میں مولانا تھانوی کی تمام تصنیفات کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس کتاب کی رُو سے ان کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد ۸۰۰ کے قریب تھی۔ یہ تمام کتابیں (تجوید القرآن اور مثنوی زیر و بم کے سوا) نثر میں ہیں۔ ان میں سے تیرہ یا چودہ کتب و رسائل عربی میں اور تین فارسی زبان میں ہیں، باقی سب تصانیف اردو زبان میں ہیں اس اعتبار سے مولانا تھانوی نے اردو زبان کی سب سے زیادہ خدمت کی ہے۔

بیسویں صدی طباعت و اشاعت کی صدی ہے۔ اس میں لاتعداد کتابیں چھپیں اور بے شمار رسائل و جرائد منصۂ شہود پر آئے اور قلم و قرطاس نے اس تیزی سے حرکت کی کہ ہر طرف مطبوعات کے ڈھیر کے ڈھیر نظر آنے لگے۔

برصغیر میں اہلِ علم اور اصحابِ قلم نے کتنی ہی زبانوں میں دادِ تحقیق دی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ علم و تحقیق اور تصنیف و تالیف کا سب سے زیادہ ذخیرہ اردو زبان میں ہے۔ ادب و شعر سے لے کر علومِ قرآن، علومِ حدیث، عقائد و کلام، فقہ و فتوئی، سلوک و تصوف، تذکرہ و تاریخ یہاں تک کہ منطق، فلسفہ، ریاضی اور صرف و نحو وغیرہ تمام علوم اردو میں منتقل ہو گئے ہیں۔ یہ اردو کی بہت بڑی خدمت ہے جس کا آغاز ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے پہلے علمائے دین نے کیا تھا۔ پھر ۱۸۵۷ء کے دردناک واقعات کو بھی پہلے پہل اسی زبان نے اپنے صفحات میں جگہ دی۔ اس کے بعد دورِ غلامی میں تمام شعبہ ہائے علم کی نشر و اشاعت اور وضاحت و تبیین کے لیے اس زبان نے نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ اپنی خدمات اہلِ قلم کے سپرد کر دیں۔

اردو زبان دیارِ ہند میں پیدا ہوئی اور اب یہ حال ہے کہ مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک دنیا کے کسی بھی حصے میں چلے جائیے، اردو بولنے اور سمجھنے والے آپ کو مل جائیں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وسعت اور پھیلاؤ کے اعتبار سے یہ زبان انگریزی سے بھی بازی لے گئی ہے۔ ہر لحاظ سے مکمل زبان ہے اور تمام علوم و فنون کی وضاحت و صراحت کی ضمانت اس نے لی ہے لیکن یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ کبھی بھی اس کو دفتری زبان کی حیثیت حاصل نہیں ہو سکی۔

اردو کے اوّلین خادم علمائے دین ہیں۔ اس کے ارتقا میں علما کی جماعت نے جو تگ و تاز کی، اس میں ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس گروہ نے اُس وقت اس زبان کو ذریعہ اظہار بنایا جب

نہ اس کے قواعد و ضوابط بنے تھے اور نہ اس کی گرائمر عالم وجود میں آئی تھی۔ پھر علمائے دین کی جماعت میں سے اس کی خدمت سب سے زیادہ مولانا اشرف علی تھانوی نے کی، جنہوں نے مختلف موضوعات کی آٹھ سو کے قریب کتابیں اس میں تصنیف کیں۔ ان کی زبان سادہ، سہل، عام فہم اور صاف ہے لیکن یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ اردو کے ادیب چند ایک کے سوا کسی عالم کو ادیبوں کی فہرست میں شامل نہیں کرتے۔ ان کے ہاں صرف مولانا شبلی، ابوالکلام آزاد، عبدالماجد دریا بادی، سید سلیمان ندوی یا دوچار اور علما کو ہی ادیب مانا جاتا ہے۔

یہ ان حضرات کی اپنی سوچ ہے اور اپنا ہی معیارِ ادبیت ہے۔ ان کے نزدیک یہ صحیح ہوگا لیکن ہمیں اس سے اتفاق نہیں۔ ہمارے نزدیک اردو کے اصل ادیب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ابتدا میں اسے تحریر و کتابت اور تبلیغ و اشاعت کی زبان بنایا۔ یقیناً ان میں مولانا اشرف علی تھانوی کا اسمِ گرامی شامل ہے بلکہ تصنیفات کی تعداد اور موضوع کی پیچیدگیوں کے اعتبار سے وہ اس ضمن میں سب سے نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

مولانا تھانوی نے مندرجہ ذیل موضوعات پر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ ان کی کتابیں اردو میں ہیں لیکن ان کے نام عربی قسم کے ہیں:

۱۔	تفسیرِ قرآن اور متعلقاتِ قرآن	۲۵ کتابیں
۲۔	علمِ حدیث	۸ "
۳۔	عقائد	۱۳ "
۴۔	عبادات کے موضوع پر	۱۰ "
۵۔	تصوف و سلوک	۴۵ "
۶۔	علمِ منطق	۱۱ "
۷۔	علمِ کلام	۲۵ " (ان میں سے نو عربی میں ہیں)
۸۔	اصلاحِ رسوم، اصلاحِ خیال اور آدابِ معاشرت کے بارے میں	۱۹ کتابیں
۹۔	سیاسیات کے موضوع پر	۱۳ "

١٠۔ حکایات پر	١٥ کتابیں
١١۔ اذکار واستغفار کے موضوع سے متعلق	٩ ״
١٢۔ فتاویٰ اور مسائلِ فقہی سے متعلق سوال وجواب کے موضوع پر	١٦ ״
١٣۔ اسلامی احکام وحقوق کے بارے میں	١٩ ״
١۴۔ عورتوں سے متعلق مسائل پر	١٠ ״
١٥۔ عملیات یعنی دم اور تعویذات سے متعلق	۴ ״
١٦۔ متفرق موضوعات پر	٣٧ ״

اسی طرح ان کے ملفوظات ومواعظ اور مکتوبات مختلف موضوعات کی کئی کئی جلدوں پر محیط ہیں۔ مثلاً اخلاق وآداب، اصلاحِ اعمال، اصلاحِ نفس، اتحاد واخوت، ذکر وفکر، ترغیب وترہیب، دعا ودرود، ردِّ بدعات، خوف وخشیتِ الٰہی، مذمتِ حرص وہوا، خیر وشر، تسلیم ورضا، استغفار، اخلاص وایمان، صبر وشکر، صحبتِ بزرگان دین، کتنے ہی عنوانات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، جلیل القدر عالم، بہت بڑے صوفی وسالک اور کثیر التصانیف مصنف تھے۔ ان کی زندگی کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ انھوں نے اردو زبان کو اظہارِ فکر وخیال کا ذریعہ بنایا اور اس اعتبار سے انھوں نے اردو زبان کی برِصغیر کے سب مصنفوں سے زیادہ خدمت کی۔

اس پیکرِ صدق وصفا عالم نے سہ شنبہ کے روز ٨٢ برس کی عمر پاکر، ١٩۔ ٢٠ جولائی ١٩۴٢ء (١٥۔١٦ رجب ١٣٦٢ھ) کی درمیانی شب کو وفات پائی۔